شبیر احمد خاں غوری

فارابی کے سیاسی افکار

(۴)

فارابی شام میں

اواخر ۳۳۰ھ میں فارابی نے بغداد کو خیر باد کہا اور ۳۳۱ھ میں دمشق پہنچا۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ اس کی کتاب المدینۃ الفاضلہ کے تعارف میں لکھتا ہے:

"کتاب المدینۃ الفاضلہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فارابی نے اسے بغداد میں تصنیف کرنا شروع کیا اور آخر ۳۳۰ھ میں اسے شام لے گیا جہاں دمشق میں ۳۳۱ھ کے اندر اسے تمام کیا اور اوٹ کیا"(۱)

لیکن ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وہ دمشق میں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرا بلکہ جلد ہی مصر چلا گیا جہاں اس نے "کتاب السیاسۃ المدنیۃ" کی تکمیل کی۔ پھر سیف الدولہ کے عہد حکومت میں مصر سے دمشق لوٹ کر آیا،

"پھر وہاں سے وہ دمشق گیا مگر وہاں ٹھہرا نہیں اس کے بعد مصر کی طرف گیا اور ابو نصر فارابی نے اپنی کتاب السیاسۃ المدنیۃ میں ذکر کیا ہے کہ اس نے اس کتاب کو بغداد میں تصنیف کرنا شروع کیا۔ اور مصر میں اس کی تکمیل کی پھر دمشق لوٹ کر آیا اور وہیں مقیم ہو گیا۔ اس وقت، وہاں کا بادشاہ سیف الدولہ تھا۔"(۲)

غالباً ابن خلکان نے فارابی کے بعد کے (۳۳۷ھ) سفر مصر کا پہلے سفر دمشق (۳۳۱ھ) کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔ فارابی نے کتاب المدینۃ الفاضلہ کی ابتدا تو بغداد ہی میں کی تھی مگر پورا اسے ۳۳۱ھ میں دمشق کے اندر کیا۔ ۳۳۷ھ (یا ۳۳۸ھ) میں وہ مصر گیا جہاں مطالب کتاب کو چھ فصلوں میں تقسیم کیا۔ ابن ابی اصیبعہ کہتا ہے:

---

(۱) طبقات الاطبا جلد ثانی۔ ص ۱۳۸ - ۱۳۹ (۲) وفیات الاعیان جلد ثانی، ص ۷۶

" فارابی نے مدینۃ الفاضلہ کو اڈٹ کرنے کے بعد پھر اس پر نظر ثانی کی اور اس میں ابواب قائم کیے۔ بعد ازاں بعض لوگوں نے اس سے درخواست کی کہ وہ انہیں فصول میں تقسیم کرے جو معانی کتاب پر دلالت کریں۔ لہٰذا اس نے ۳۳۷ھ میں مصر کے اندر اس میں فصلیں قائم کیں اور وہ چھ فصلیں ہیں" ۔

بہرحال فارابی نے آخر سنہ ۳۳۰ھ میں بغداد چھوڑا اور ۳۳۱ھ میں وہ دمشق میں تھا۔ ۳۳۶ھ یا ۳۳۷ھ میں وہ مصر پہنچا لیکن جلد ہی دمشق لوٹ آیا۔ جہاں اس نے ۳۳۹ھ میں وفات پائی۔ فارابی اس عرصہ میں کچھ دن کے لیے حلب بھی گیا جہاں اس نے اپنے عزیز شاگرد ابراہیم بن عدی کو ارسطو کی کتاب البرہان پر شرح املا کرائی۔ مگر اس کی تفصیل سے پیشتر شام بالخصوص دمشق کے سیاسی انتشار کا ایک اجمالی بیان مستحسن معلوم ہوتا ہے۔

اس وقت بغداد کی طرح دمشق بھی سیاسی تقلبات کا شکار تھا۔ ۳۲۸ھ میں اخشید والی مصر (۳۲۳-۳۳۴ھ) کی جانب سے اس کا غلام بدر بن عبداللہ (بدیر) دمشق پر حاکم تھا۔ کچھ دن بعد ابن رائق نے دمشق پر قبضہ کر لیا اور مصر پر حملہ کیا۔ مگر شکست کھا کر دمشق واپس ہوا آخر میں صلح ہو گئی اور اخشید نے شام پر ابن رائق کا قبضہ تسلیم کر لیا۔ اسی دوران میں بغداد کے اندر ابن رائق کا حریف بحکم مارا گیا اور خلیفہ متقی باللہ نے ابن رائق کو بلا کر بغداد کی امیر الامرائی سپرد کی۔ اس نے دمشق میں ابو الحسن علی بن احمد بن مقاتل کو اپنا نائب مقرر کیا۔ لیکن ۳۳۰ھ میں جب بریدی نے بغداد میں فتنہ اٹھایا تو ابن رائق اور خلیفہ متقی باللہ بغداد سے بھاگ کر موصل پہنچے۔ اور خلیفہ نے ناصر الدولہ ہمدانی سے مدد مانگی۔ اسی زمانہ میں ابن رائق قتل ہو گیا۔ اور اخشید نے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ ۳۳۳ھ میں سیف الدولہ ہمدانی حلب پر قابض ہو گیا۔ اخشید نے کافور کے ہمراہ ایک لشکر بھیجا۔ قنسرین میں ایک غیر فیصلہ کن لڑائی ہوئی سیف الدولہ لوٹ کر حلب چلا گیا اور اخشید دمشق جہاں اس نے ۳۳۴ھ میں وفات پائی۔ ابن الاثیر اس سن (۳۳۴ھ) کے واقعات میں لکھتا ہے:

" اس سن (۳۳۴ھ) میں ماہ ذی الحج میں اخشید ابوبکر محمد بن طغج والی مصر کا دمشق میں انتقال ہو گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو القاسم انوجور اس کا جانشین ہوا لیکن

طبقات الاطباء جلد ثانی ص ۱۳۹

امیر مملکت بن کافور غالب آگیا۔ . . . . . پھر کافور مصر چلا گیا اس پر سیف الدولہ نے دمشق پر حملہ کیا اور فتح کر کے وہیں مقیم ہو گیا . . . . . (بعد میں سیف الدولہ سے غیر مطمئن ہو کر اہل دمشق نے) کافور سے خط و کتابت شروع کی اور مداخلت کی درخواست کی تو وہ ان کے یہاں آیا۔ ۳۳۶ھ میں انہوں نے سیف الدولہ کو وہاں سے نکال باہر کیا اور انوجور کافور کے ہمراہ تھا۔ اس کے بعد انہوں نے سیف الدولہ کا حلب تک پیچھا کیا۔ سیف الدولہ ڈر گیا اور دریا پار کر کے جزیرے میں چلا گیا۔ اور انوجور حلب میں ٹھہر رہا۔ اس کے بعد دونوں میں صلح ہو گئی۔ انوجور مصر لوٹ گیا اور سیف الدولہ حلب واپس آگیا اور کافور کچھ دن دمشق میں ٹھہرا رہا اور اس پر بدر اخشیدی کو جو بدیر کے نام سے مشہور ہے وہاں کا حاکم بنا کر مصر لوٹ گیا۔ بدیر (بدر اخشیدی) سال بھر دمشق کا حاکم رہا پھر کافور نے ابو المظفر بن طغج کو وہاں کا حاکم بنایا اور بدر اخشیدی کو گرفتار کر لیا۔"[1]

اس تمام عرصہ میں فارابی نے بڑے سکون کے ساتھ اپنا علمی مشغلہ جاری رکھا اور بغداد کی طرح شام میں بھی سیاسی ہنگاموں سے علاحدہ خاموشی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ وہ جس وقت (۳۳۱ھ) میں دمشق پہنچا، اس کے لیے بڑی تنگ دستی کا عالم تھا اس لیے ذریعۂ معاش کے لیے مجبوراً ایک باغ میں رکھوالا ہو گیا۔ بے نوائی کا یہ عالم تھا کہ رات کو چوکیدار کے چراغ سے پڑھا کرتا تھا۔ با ایں ہمہ حسب سابق مطالعہ جاری رکھا۔ ابن ابی اصیبعہ نے سیف الدین الآمدی سے روایت کیا ہے:

"مجھ سے سیف الدین ابوالحسن بن ابو علی الآمدی نے بیان کیا کہ فارابی شروع میں دمشق کے اندر ایک باغ کا رکھوالا تھا۔ معہذا وہ فلسفہ و حکمت کے مطالعہ میں ہمیشہ منہمک رہتا اور اس میں غور و فکر کرتا رہتا۔ نیز متقدمین کی آراء و افکار سے واقفیت بہم پہنچاتا رہتا اور ان کی شروح میں مشغول رہتا۔ وہ بہت زیادہ سقیم الحال تھا۔ یہاں تک کہ رات کو مطالعہ اور تصنیف کے لیے جاگتا تو باغ کے چوکیدار کی لالٹین سے پڑھتا۔ اسی طرح وہ عرصہ تک سقیم الحال رہا"[2]۔

مگر باوجودیکہ اس کی معاشی حالت بڑی سقیم تھی، مزاج میں کمال درجہ نزاہت و نفاست تھی۔

---

(۱) کامل لابن الاثیر جلد ثانی۔ ص ۱۵۰-۱۵۱ (۲) طبقات الاطبا جلد ثانی، ص ۱۳۴

اس نے ملازمت بھی کی تو باغبانی کی۔ دمشق کے باغات (غوطہ دمشق) دنیا کی چار جنتوں میں سے ایک جنت ہیں۔ انہیں باغوں میں نہروں کے کنارے بیٹھ کر وہ تصنیف و تالیف کا کام کیا کرتا تھا۔ ابن خلکان لکھتا ہے:

"وہ دمشق میں عموماً ایسے مقامات پر رہتا جہاں آبِ رواں اور باغات ہوتے تھے۔ وہیں بیٹھ کر وہ اپنی کتابیں تصنیف کرتا اور وہیں آکر طلبہ نوبت بنوبت اس سے سبق پڑھا کرتے۔[1]"

اور چونکہ مالی حالت زیادہ فراخ دستی کی اجازت نہ دیتی تھی اس لیے تصنیف و تالیف میں فیاضی کے ساتھ کاغذ استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کی اس زمانہ کی اکثر تصانیف چھوٹے چھوٹے رقعوں میں بشکل تعلیقات پائی جاتی ہیں۔ اکثر کاغذ کی نایابی کی وجہ سے کسی مسئلہ کی توضیح کو غیر مکمل چھوڑ دینا پڑتا۔ ابن خلکان لکھتا ہے:

"اس کی اکثر تصانیف کاغذ کے پرزوں پر ہیں۔ وہ اوراق و صفحات (کاغذ کے دستوں میں) بہت کم لکھا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کی اکثر تصانیف کی حیثیت فصول اور تعلیقات (NOTES) کی ہے۔ بلکہ بعض تو (اسی وجہ سے) ناقص اور پراگندہ پائی جاتی ہیں۔[2]"

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ۳۳۳ھ میں سیف الدولہ ہمدانی کا حلب پر قبضہ ہو گیا اور اس کے سپہ سالار کافور کی کوششوں کے باوجود سیف الدولہ حلب سے بے دخل نہ ہو سکا۔ ادھر دمشق کی حالت بڑی مضطرب تھی اس لیے مجبوراً فارابی نے دمشق کی پر بہار فضا پر حلب کے سکون و عافیت کو ترجیح دی اور وہیں چلا گیا۔ چنانچہ ابن القفطی لکھتا ہے:

"ابو نصر فارابی حلب میں سیف الدولہ ابو الحسن علی بن ابی الہیجا عبد اللہ بن حمدان کے پاس آیا، عرصہ تک اس کی سرپرستی میں صوفیا کی وضع میں مقیم رہا۔[3]"

ابن خلکان نے کسی مجہول الحال ماخذ سے سیف الدولہ کے دربار میں فارابی کی باریابی کا نقشہ بدیں طور نقل کیا ہے:

---

(۱) وفیات الاعیان جلد ثانی، ص ۷۷ (۲) ایضاً، ص ۷۷ (۳) اخبار العلماء باخبار الحکماء، ص ۱۸۳

"میں نے کسی مجموعہ میں لکھا ہوا دیکھا تھا کہ فارابی جب سیف الدولہ کے دربار میں آیا تو وہ ترکی لباس جو ہمیشہ پہنتا تھا پہنے ہوئے تھا۔ سیف الدولہ کے ہر علم و فن کے فضلاء جمع تھے۔ دربار میں داخل ہونے کے بعد کھڑا رہا تو سیف الدولہ نے اس سے کہا بیٹھ جاؤ۔ فارابی نے کہا کہاں بیٹھوں جہاں میں ہوں یا جہاں تم ہو۔ سیف الدولہ نے کہا جہاں تم ہو تو وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا سیف الدولہ کی مسند کے پاس پہنچا اور اسے ہٹانے لگا۔ سیف الدولہ کے پیچھے اس کے غلام کھڑے ہوئے تھے جن سے وہ ایک خاص زبان میں راز کی باتیں کیا کرتا تھا اور جسے دوسرے لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس نے ان سے اس زبان میں کہا کہ اس بڈھے نے بڑی بے ادبی کی ہے میں اس سے کچھ سوال پوچھتا ہوں اگر وہ ان کا کما حقہ جواب نہ دے تو تم اسے بیوقوف بنانا۔ فارابی نے اسی زبان میں کہا کہ اے امیر صبر کیجیے کیونکہ تمام کام اپنے نتیجوں پر موقوف ہیں۔ سیف الدولہ اس سے بہت زیادہ متعجب ہوا اور پوچھا کہ کیا تم یہ زبان جانتے ہو۔ فارابی نے کہا ہاں بلکہ ستر سے زیادہ زبانیں جانتا ہوں۔ اس سے سیف الدولہ کے دل میں اس کی عظمت اور بڑھ گئی۔ اب فارابی نے علماء مجلس سے ہر ایک علم میں گفتگو کرنا شروع کی اور اس کی گفتگو بلند ہونے لگی۔ اور ان کی گفتگو پست یہاں تک کہ وہ سب لوگ خاموش ہو گئے اور فارابی ہی بولتا رہا۔ پھر انہوں نے فارابی کے افادات کو لکھنا شروع کیا۔ اب سیف الدولہ نے سب علماء کو رخصت کیا اور فارابی کے ساتھ تنہا رہ گیا اور پوچھا آپ کچھ کھائیں گے فارابی نے کہا نہیں پھر پوچھا کچھ نوش فرمائیں گے فارابی نے کہا نہیں۔ تب اس نے پوچھا آپ کچھ سنیں گے فارابی نے کہا ضرور اس پر سیف الدولہ نے مغنیہ لونڈیوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ یہ اس فن کی ماہر مختلف قسم کے ساتھ لے کر حاضر ہوئیں۔ لیکن کوئی لونڈی ایسی نہ تھی جس نے اپنا ساز بجایا ہو اور فارابی نے اس پر نکتہ چینی نہ کی ہو۔ سیف الدولہ نے پوچھا کیا آپ یہ فن بھی جانتے ہیں۔ فارابی نے کہا جی ہاں۔ اور یہ کہہ کر اپنی کمر سے ایک تھیلا نکالا اور اسے کھول کر چند لکڑیاں نکالیں اور انہیں خاص طرح ترکیب دے کر بجانا شروع کیا جس سے سب لوگ ہنس پڑے۔ پھر انہیں کھول کر دوسری طرح پر ترکیب دیا اور بجایا اس دفعہ اہل مجلس رونے لگے۔ پھر انہیں کھولا اور ان کی ترکیب بدل ڈالی۔ اب جو بجایا تو حضار مجلس حتیٰ کہ دربان بھی سب سو گئے اور فارابی انہیں سوتا چھوڑ کر وہاں سے چلا آیا۔"[1]

---

(۱) وفیات الاعیان جلد ثانی ص ۷۸۔ فارابی کے سفر حلب کے سلسلے میں بعض غلط فہمیاں ہیں مثلاً "ہمدانیوں نے جب حلب فتح کر لیا اور اسے دار السلطنت بجائے موصل کے حلب کو قرار دیا تو فارابی بغداد سے حلب آیا اور سیف الدولہ کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔" حالانکہ سیف الدولہ نے حلب ۳۳۳ھ میں فتح کیا اور فارابی بغداد کو آخر ۳۳۰ھ میں چھوڑ چکا تھا۔ اور ۳۳۱ھ میں دمشق میں متوطن تھا۔

یہ تفصیل تاریخ سے زیادہ افسانہ سے مشابہ ہے بہر حال اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فارابی کو سیف الدولہ کے دربار میں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے:

"فارابی (شروع میں) بڑا سقیم الحال تھا ...... اور عرصہ تک اسی طرح پراگندہ حال رہا۔ پھر اس کی شان بڑھ گئی۔ اس کا فضل و کمال ظاہر ہو گیا۔ اس کی تصانیف کی شہرت ہو گئی۔ اور اس کے طلبہ بکثرت ہو گئے اور وہ یگانۂ روزگار اور علامۂ وقت بن گیا"[۱]۔

سیف الدولہ کی علم دوستی و ہنر پروری کا تذکرہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ اس یگانۂ روزگار علامہ کی شہرت غالباً اس نے بھی سنی ہو گی۔ علوم حکمیہ سے اسے خاص دلچسپی تھی اس لیے غالباً اس کی خواہش پر فارابی دمشق سے حلب پہنچا اور دو سال اس کے سایۂ عاطفت میں گزارے۔ یہیں اس سے ابراہیم بن عدی نے کتاب البرہان پڑھی۔ ابن ابی اصیبعہ کہتا ہے:

"شرح کتاب البرہان لارسطاطالیس بطریق تعلیقات (نوٹس)۔ یہ تعلیقات (NOTES) فارابی نے اپنے شاگرد ابراہیم بن عدی کو حلب میں املا کرائے"[۲]۔

ابن ابی اصیبعہ دوسری جگہ فارابی پر سیف الدولہ کی نوازش کے بارے میں لکھتا ہے:

"فارابی کے ساتھ امیر سیف الدولہ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن حمدان التغلبی کا ساتھ ہو گیا جس نے اس کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ اس کی قدر و منزلت سیف الدولہ کے یہاں بڑھ گئی۔ اور وہ اسے دوسروں پر ترجیح دیتا تھا"[۳]۔

۳۳۵ھ میں سیف الدولہ کا دمشق پر قبضہ ہو گیا اور فارابی بھی اس کے ہمراہ پھر دمشق آ گیا۔ ابن القفطی لکھتا ہے:

"سیف الدولہ نے اسے ترقی دی اور انعام و اکرام سے نوازا۔ اس کے علمی رتبہ کو پہچانا اور فہم و خرد میں اس کی قدر و منزلت کی۔ فارابی اسی کے ہمراہ دمشق گیا جہاں اس نے وفات پائی"[۴]۔

ابن القفطی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ۳۳۶ھ میں آکر انوجور اور کافور نے سیف الدولہ کو دمشق سے نکالا ہے تو فارابی اس کے ہمراہ نہیں گیا بلکہ وہیں دمشق میں مقیم رہا۔ یہیں سے وہ

---

(۱) طبقات الاطباء جلد ثانی، ص ۱۳۴ (۲) ایضاً، ص ۱۳۸ (۳) ایضاً، ص ۱۳۴ (۴) اخبار العلماء باخبار الحکماء، ص ۱۸۱

۳۳۶ھ دیا ۳۳۸ھ، میں مصر گیا۔ جہاں اس نے "کتاب المدینۃ الفاضلہ" کا آخری ایڈیشن مرتب کیا۔ ابن ابی اصیبعہ اور ابن خلکان کی شہادتیں اوپر کی شہادتیں اوپر گزر چکی ہیں۔ اس سفر مصر کے بارے ابن ابی اصیبعہ دوسرے مقام پر لکھتا ہے:

"میں نے بعض مشائخ کی تحریروں سے نقل کیا تھا کہ فارابی ۳۳۸ھ میں مصر گیا تھا مگر جلد ہی، دمشق واپس آگیا۔ جہاں اس نے وفات پائی"[۱]۔

فارابی مصر سے جلد ہی واپس آگیا کیونکہ اس کے مربی سیف الدولہ کی دمشق میں حکومت قائم ہو چکی تھی۔ (ابن خلکان کی شہادت اوپر گزر چکی ہے) سیف الدولہ نے دوسرے باکمالوں کی طرح اس نادرۂ روزگار کو بھی نوازشہائے خسروانہ سے نوازنا چاہا مگر اقلیم دانش کے اس تاجدار نے صرف چار درہم یومیہ اپنی ضروریات کے لیے کافی سمجھے۔

فارابی کی وفات

فارابی نے بڑے اعتدال کی زندگی بسر کی تھی مگر تابکے۔ مصر سے دمشق واپس آنے کے وہ کوئی ایک سال بعد تک زندہ رہا۔ اور رجب ۳۳۹ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا تو سیف الدولہ نے اپنے پندرہ مقربین خاص کے ساتھ اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے:-

"ابونصر فارابی نے ۳۳۸ھ میں مصر کا سفر کیا مگر جلد ہی دمشق واپس آگیا جہاں اس نے رجب ۳۳۹ھ میں سیف الدولہ کے پاس وفات پائی ...... جنازے کی نماز سیف الدولہ نے اپنے پندرہ مقربین خاص کے ساتھ پڑھائی"[۲]۔

ابن خلکان نے اس کے مدفن کے بارے میں لکھا ہے:

"فارابی دمشق کے بیرونی حصہ میں باب الصغیر کے باہر دفن کیا گیا"[۳]۔

زندگی

فارابی کی زندگی ایک "مثالی حکیم" کی زندگی تھی۔ ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے:

"فارابی فیلسوف کامل اور اپنے فن میں امام فاضل تھا۔ علوم فلسفیہ میں اتقان کامل بہم پہنچایا تھا۔ اور علوم ریاضیہ میں کمال حاصل کیا تھا۔ زکی النفس اور قوی الذکا تھا۔ دنیا سے

---

(۱) طبقات الاطباء جلد ثانی، ص ۱۳۴ (۲) ایضاً، ص ۱۳۴ (۳) وفیات الاعیان جلد ثانی، ص ۷۷

کنارہ کش۔ صرف قوت لایموت پر قانع رہتا تھا اور فلاسفۂ متقدمین کی طرح زندگی بسر کرتا تھا"[۱]

اس کی قناعت پسندی کا اوپر ذکر آچکا ہے کہ وہ باغوں میں نہروں کے کنارے اپنا وقت علمی مشغلہ میں بسر کرتا تھا۔ کھانے پینے کے معاملے میں بھی زیادہ حریص نہیں تھا۔ سیف الدولہ کے دربار سے چار درہم یومیہ مقرر تھے مگر یہ بھی اس کی ضروریاتِ زندگی سے فاضل رہتے۔ کھانے میں بکرے کے دل کی یخنی شراب ریحانی کے ساتھ استعمال کرتا تھا۔ اس سے زائد سے دنیا بنانے کی فکر نہ تھی۔ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے:

"کہا جاتا ہے کہ سیف الدولہ کے تمام انعامات وعطایا میں سے وہ صرف چار درہم یومیہ لیتا تھا جنہیں وہ مایحتاج زندگی میں صرف کرتا تھا۔ وضع، لباس، مکان اور پیشہ سے بالکل بے نیاز تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی غذا بکرے کے دل کا آبجوش ریحانی شراب ملا کر ہوا کرتی تھی۔"[۲]

تلامذہ

اوپر ذکر آچکا ہے کہ جب تک متی بن یونس زندہ رہا فارابی کو کوئی مقبولیت حاصل نہ ہو سکی، مگر ۳۲۸ھ میں ابوبشر متی کا انتقال ہوگیا اور حسب تصریح مسعودی مدرسہ فلسفہ کی ریاست فارابی کے حصہ میں آئی۔ ابوبشر متی کے شاگردوں نے اب فارابی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ان میں سب سے مشہور ابوزکریا یحییٰ بن عدی تھا۔ ابن ابی اصیبعہ اس کے تلمذ کے بارے میں لکھتا ہے:

"یحییٰ بن عدی: وہ ابوزکریا یحییٰ بن عدی بن حمید بن زکریا المنطقی ہے۔ اسے اپنے زمانہ میں مدرسہ فلسفہ کی ریاست اور علوم فلسفیہ کی معرفت تامہ حاصل تھی۔ اس نے ابوبشر متی اور ابونصر فارابی نیز اور لوگوں سے پڑھا تھا۔ اپنے فن میں یگانۂ روزگار تھا۔"[۳]

اسی طرح بیہقی تتمہ صوان الحکمۃ میں لکھتا ہے:

"وہ حکیم کامل تھا اور ابونصر فارابی کے افضل تلامذہ میں سے تھا۔ اس کی تصانیف میں بہت سی کتابیں ہیں۔ وہ ارسطو کی کتابوں کی شرح کیا کرتا تھا نیز فارابی کی کتابوں کا اختصار کیا کرتا تھا۔"[۴]

غالباً ۳۳۰ھ میں اس کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی اس لیے وہ ترکِ وطن کر کے فارابی کے ساتھ شام نہیں گیا۔ مگر

---

(۱) طبقات الاطباء جلد ثانی، ص ۱۳۴ (۲) ایضاً، ص ۱۳۴ (۳) طبقات الاطباء جلد اول، ص ۲۳۵ (۴) تتمہ صوان الحکمۃ، ص ۹۰

اس کا چھوٹا بھائی ابراہیم بن عدی فارابی کا خاص شاگرد اور رفیق سفر تھا۔ چنانچہ بیہقی لکھتا ہے:

"ابراہیم بن عدی یحییٰ بن عدی کا چھوٹا بھائی تھا۔ ابراہیم ابونصر فارابی کا شاگرد خاص تھا اور ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا تھا۔ اسی نے فارابی کی تصانیف کو مدون کیا"[1]

ابراہیم بن عدی فارابی کے ہمراہ بغداد سے شام گیا اور حلب میں فارابی نے اسی کے لیے ارسطو کی کتاب البرہان کی شرح بطور تعلیقات لکھی تھی۔

فارابی بغداد میں ابوبشر متی کے انتقال کے بعد دو سال سے زیادہ نہ رہ سکا۔ اور آخر ۳۲۲ھ میں شام چلا گیا۔ دمشق میں وہ بڑی بے سروسامانی کے عالم میں پہنچا۔ اور عرصہ تک کس مپرسی کا شکار رہا مگر علم و فضل چھپے نہیں رہتے۔ کچھ دن بعد اس کے تبحر علمی کا شہرہ دور دور پھیل گیا۔ اور جوق در جوق طالبان علم و حکمت آ آ کر اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے لگے۔ ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے:

"فارابی (شروع میں) بڑا ضعیف الحال اور گمنام تھا...... اسی طرح ایک عرصہ تک رہا۔ مگر (بعد میں) اس کی شان بڑھ گئی۔ علم و فضل ظاہر ہو گیا۔ تصانیف کی شہرت ہو گئی اور بکثرت شاگرد ہو گئے"[2]

لیکن تاریخ نے اس کے ان شاگردوں کے نام محفوظ نہیں رکھے۔

فارابی کے معنوی شاگردوں میں سب سے نمایاں نام شیخ بوعلی سینا کا ہے۔ بیہقی لکھتا ہے:

"اور ابوعلی ابن سینا فارابی کی تصانیف کا شاگرد (معنوی شاگرد) اور خوشہ چین تھا"[3]

خود شیخ اس بات کا معترف ہے کہ وہ ارسطو کی مابعد الطبیعات کے سمجھنے سے مایوس ہو چکا تھا لیکن خوش قسمتی سے اسے فارابی کی "اغراض مابعد الطبیعہ" مل گئی جس کی مدد سے یہ مشکل فن بھی پانی ہو گیا (اس کی تفصیل آگے آئے گی)۔ شیخ کے دشمنوں کا یہ بھی خیال تھا کہ شیخ کی تصانیف فارابی کی مصنفات کا سرقہ ہیں۔ اور اسی لیے اس نے امیر نوح بن منصور کی لائبریری سے (جس میں حکماء سابقین کی کتابوں کے علاوہ فارابی کی مصنفات بھی موجود تھیں) استفادہ کرنے کے بعد اسے جلا دیا تھا"[4]

---

(۱) تتمہ صوان الحکمہ، ص ۱۰۲ (۲) طبقات الاطبا جلد ثانی، ص ۱۳۴

(۳) تتمہ صوان الحکمہ، ص ۱۶ (۴) ایضاً ص ۴۳

جلالتِ قدر

فلسفہ کے عہد حاضر سے پہلے عام طور پر یہ خیال تھا کہ فلسفی صرف چار گزرے ہیں : قدما میں ارسطو اور اسکندر افرودیسی اور متاخرین حکمائے اسلام میں ابونصر فارابی اور بوعلی سینا۔ بیہقی کہتا ہے :

" کہا جاتا ہے کہ حکیم صرف چار ہوتے ہیں : دو اسلام سے پہلے اور وہ ارسطو اور اسکندر افرودیسی ہیں اور دو اسلام میں اور وہ ابونصر فارابی اور ابوعلی ابن سینا ہیں "[1]

خود فارابی کا خیال تھا کہ وہ صرف ارسطو سے کمتر ہے ورنہ اس کے پایہ کا فلسفی دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ ابن ابی اصیبعہ نے اس سے نقل کیا ہے :

" فارابی سے پوچھا گیا آپ زیادہ عالم ہیں یا ارسطو تو کہا اگر میں ارسطو کا زمانہ پاتا تو اس کا سب سے بڑا شاگرد ہوتا۔ یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ فارابی نے کہا ہے کہ میں نے ارسطو کی " کتاب السماع " کو چالیس مرتبہ پڑھا ہے اور میرا خیال ہے مجھے ابھی اس کے پڑھنے کی اور ضرورت ہے "[2]

قدیم ترین مورخ جس کے یہاں فارابی کا حوالہ ملتا ہے مشہور مورخ مسعودی ہے۔ وہ کتاب التنبیہ والاشراف میں جسے اس نے فارابی کی وفات کے صرف چھ سال بعد تصنیف کیا تھا کہتا ہے کہ ابراہیم مروزی کے شاگردوں ابومحمد ابن کرنیب اور ابوبشر متی بن یونس کے بعد مدرسہ فلسفہ کی ریاست فارابی کے حصہ میں آئی۔ نقل التعليم فی ايام عمر بن عبد العزيز من الاسكندريه الى انطاكيه ثم انتقل الى حران فی ايام المتوكل وانتهى ذالك فی ايام المعتضد الى قويرى ويوحنا بن حيلان.... وابراهيم المروزى ثم الى ابی محمد ابن كرنيب وابو بشر متى بن يونس تلميذ ى ابراهيم المروزى.... ثم الى ابی نصر محمد بن الفارابی تلميذ يوحنا بن حيلان وكانت وفاته بدمشق الخ[3]

حال ہی میں (۱۹۵۸ء میں) علی گڑھ میں جو مسعودی کی ہزار سالہ یادگار منائی گئی تھی اس کے موقع پر مسٹر ڈی ایم۔ ڈنلپ نے ایک مقالہ پڑھا تھا جس میں یہ ثابت کیا تھا کہ مسعودی کی نایاب کتاب " فنون المعارف وماجرئ فی الدھور السوالف " کا اکثر مواد فارابی کی تصانیف سے ماخوذ تھا بالخصوص اس کا وہ جزء جو یونان میں طبیعی فلسفہ کے اجتماعی فلسفہ میں منتقل ہونے سے متعلق تھا وہ فارابی کی

---

(۱) تتمہ صوان الحکمۃ، ص ۱۷ (۲) طبقات الاطباء جلد ثانی ص ۱۳۶ (۳) کتاب التنبیہ والاشراف للمسعودی، ص ۱۲۳

کتاب "المدینۃ الفاضلۃ" پر (جس کا ملخص ڈیٹریسی نے آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ کے نام سے شائع کیا ہے) مبنی تھا۔

مسعودی کے بعد مشہور جغرافیہ نویس و سیاح ابن حوقل نے فارابی کے فضل و کمال کا حوالہ دیا ہے وہ "وسیج" کے ذکر میں کہتا ہے:

"وسیج بھی فاراب کے شہروں میں سے تھا۔ وہیں کا باشندہ ابونصر فارابی تھا جو منطق کی بہت سی کتابوں کا مصنف ہے جس نے قدماء فلاسفہ کی بہت سی کتابوں کی تفسیر کی ہے اور جو اس علم منطق میں ہمارے زمانہ کے تمام حکماء سے بڑھ کر ہے۔"[1]

ابن حوقل کے بعد ابن الندیم نے الفہرست میں (جسے اس نے فارابی کی وفات کے اڑتیس سال بعد ۳۷۷ھ میں مرتب کیا تھا) فارابی کی عظمت فکر کا ذکر کیا ہے:

"ابونصر محمد بن محمد بن محمد بن طرخان ..... علم منطق اور علوم قدیمہ (یونانی فلسفہ و حکمت) کے پیشوایان فن میں سے ہے۔"[2]

پانچویں صدی کے آغاز میں تاریخ اسلام کا فلسفی "شیخ بوعلی سینا تھا جو "حکماء اسلام" کا گل سرسبد ہے وہ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں اس بات کا معترف ہے کہ ارسطو کی مابعد الطبیعہ اگر اس نے سمجھی تو فارابی کی "اغراض مابعد الطبیعہ" کی مدد سے۔ ابن ابی اصیبعہ اس سے نقل کرتا ہے:

"پھر میں نے "الہیات" کی طرف توجہ کی اور (ارسطو کی) "کتاب مابعد الطبیعہ" کو پڑھا۔ لیکن اس کے مضامین کو نہ سمجھ سکا اور مصنف کا مقصد میرے لیے ناقابل فہم ہی رہا یہاں تک کہ میں نے اس کا چالیس بار مطالعہ کیا اور وہ مجھے حفظ ہو گئی معہذا نہ میں اسے سمجھ سکا نہ اس کا مقصد معلوم کر سکا۔ آخر کار میں مایوس ہو گیا اور میں نے سوچا کہ اس کتاب کے سمجھنے کی کوئی شکل نہیں ہے۔ ایک دن میں شام کے وقت کتب فروشوں کے بازار سے گزر رہا تھا دیکھا کہ ایک دلال کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے جس کے لیے وہ آواز لگا رہا ہے اس نے یہ کتاب مجھے دکھائی مگر میں نے بڑی سختی سے لوٹا دیا کیونکہ میرا خیال تھا کہ اس علم میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ دلال بولا کہ اسے خرید لیجیے کیونکہ یہ بہت سستی ہے

---

(۱) کتاب صورۃ الارض لابن حوقل، ص ۳۹۱ (۲) الفہرست لابن الندیم، ص ۳۶۸

میں اسے آپ کو تین درہم میں دوں گا۔ کیونکہ اس کے مالک کو اس کی قیمت کی ضرورت ہے۔ میں نے خرید لیا۔ اب جو دیکھتا ہوں تو وہ فارابی کی کتاب "اغراض ما بعد الطبیعۃ" ہے میں گھر لوٹا اور جلد جلد اسے پڑھا تو فوراً ہی میرے ذہن پر اس کتاب (مابعد الطبیعیات ارسطو) کے اغراض و مقاصد منکشف ہو گئے۔ کیونکہ کتاب تو مجھے حفظ ہی تھی۔ اس سے مجھے بڑی مسرت ہوئی اور دوسرے شکر باری میں میں نے بہت کچھ فقیروں کو صدقہ دیا۔"(۱)

اس کے مطالعہ کے بعد بو علی سینا کو فارابی کی کتابوں کا اشتیاق ہوا اور جب امیر نوح بن منصور نے اسے اپنے کتب خانہ کے دیکھنے کی اجازت دی تو اس نے وہاں خصوصیت سے فارابی کی کتابوں کو دیکھا اور ان سے استفادہ کیا چنانچہ بیہقی لکھتا ہے:

"پس بو علی سینا نے وہاں ایسی کتابیں دیکھیں کہ لوگوں کے کانوں میں ان کے نام بھی سننے میں نہ آئے تھے۔ یہ کتابیں فارابی وغیرہ کی تھیں۔ پس شیخ نے ان کتابوں کو پڑھا اور ان سے استفادہ کیا۔"(۲)

پانچویں صدی کے وسط میں قاضی صاعد اندلسی فارابی کے علم و فضل کی تعریف میں رطب اللسان ہے:

"فلاسفہ اسلام میں سے ابو نصر محمد بن محمد بن نصر الفارابی بھی ہے جو حقیقۃً فیلسوف المسلمین ہے۔۔۔۔۔ وہ تمام حکمائے اسلام سے اس باب میں گوئے سبقت لے گیا اور کتب حکمت کی تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ اس نے ان کے غوامض کی شرح کی اور ان کے اسرار و رموز کو منکشف کر دیا۔۔۔۔۔۔ ایسی کتابوں میں جن کی عبارت صحیح ہے اور اشارات لطیف ہیں۔ ۔۔۔۔۔۔ اس طرح اس موضوع پر اس کی تصانیف رتبہ اعلیٰ و درجہ قصویٰ پر پہنچ گئیں ان کے علاوہ علوم کے شمار اور ان کے مقاصد کی روشناسی کے موضوع پر اس کی ایک بہت عمدہ کتاب ہے جس کی طرف اس سے پہلے کسی کا دھیان نہیں گیا تھا اور کسی نے اس انداز پر کتاب لکھی تھی۔ طلبہ اس کے مطالعہ اور استفادہ کرنے سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اس نے افلاطون اور ارسطو کے فلسفی نظاموں کے اغراض و مقاصد پر بھی ایک کتاب لکھی ہے جو علوم فلسفیہ میں اس کے فضل و کمال اور فنون حکمت میں اس کی

---

(۱) طبقات الاطباء جلد ثانی ص ۳-۴ (۲) تتمہ صوان الحکمہ، ص ۴۳

کاوش تحقیق کی شاہد ہے۔ میرے علم میں فلسفہ کے طالب علم کے لیے اس سے زیادہ مفید کتاب اور نہیں ہے ۔۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ اس نے الٰہیات اور سیاسیات پر بھی دو کتابیں لکھی ہیں جن کی نظیر نہیں ہے۔ ان میں سے ایک "السیاسۃ المدینۃ" کے نام سے اور دوسری "السیرۃ الفاضلۃ" کے نام سے مشہور ہے۔[1]

پانچویں صدی کے آخر میں جب امام غزالی نے فلاسفہ کا رد لکھنا چاہا تو اس کے لیے ارسطو کو منتخب کیا۔ لیکن مصنفات ارسطو کے تراجم میں شدید اختلاف تھا اس لیے انہوں نے فلسفہ کی تردید و ابطال کے لیے انہیں شروح و تراجم کو لیا جو فارابی اور ابن سینا کی طرف منسوب تھے۔

"پھر ارسطو کی کتابوں کے مترجمین کا کلام تحریف و تبدیل سے خالی نہیں ہے ۔۔۔۔۔۔

فلاسفۂ اسلام میں (کتب ارسطو) کی نقل و تحقیق میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ابونصر فارابی اور ابن سینا ہیں۔ اس لیے جو کچھ انہوں نے اختیار کیا ہے اور جسے انہوں نے صحیح سمجھا ہے (یونانی فلسفہ کے ابطال میں)، ہم اسی پر اقتصار کریں گے۔"[2]

چھٹی صدی کے آغاز میں ابن باجہ (المتوفی ۵۳۳ھ) مغرب (اندلس۔ اسپین) کا بہت بڑا فلسفی تھا جو بقول دی بوائر ما بعد الطبیعیات میں بڑی حد تک فارابی کا متبع تھا۔ لیکن سب سے زیادہ وہ فارابی کے "مدینہ فاضلہ" سے متاثر ہوا اور اسی کے زیر اثر اس نے تدبیر المتوحد لکھی۔ رینان (RENAN) کہتا ہے کہ فلسفۂ سیاسیات میں ابن باجہ پر فارابی کا اثر بہت زیادہ نمایاں ہے (مزید تفصیل آگے آئے گی)۔

لیکن چھٹی صدی کا سب سے بڑا اندلسی فلسفی ابن رشد ہے جس نے قرون وسطیٰ کے یورپی فلسفہ کو خصوصیت سے متاثر کیا۔ اس نے واضح طور پر بتایا کہ فارابی نے ارسطا طالیسی منطق پر کیا اضافے کیے تھے۔ اس موضوع پر ابن رشد نے دو کتابیں لکھی تھیں :- (۱) مقالہ فی التعریف بجھۃ نظر ابی نصر فی کتبہ الموضوعۃ فی صناعۃ المنطق التی بایدی الناس وجھۃ نظر ارسطوطالیس فیھا

(۲) کتاب فیما خالف ابونصر لارسطوطالیس فی کتاب البرھان من ترتیبہ وقوانین البرھان والحدود

چھٹی صدی کے وسط میں ظہیر الدین بیہقی نے تتمہ صوان الحکمہ مرتب کی اس کے اندر فارابی کے ذکر میں لکھتا ہے :

---

(۱) طبقات الامم ص ۸۴-۸۵ (۲) تہافت الفلاسفہ ۳۶-۳۷ (۳) طبقات الاطبا جلد ثانی ص ۷۸

"الشیخ ابونصر الفارابی .... اور وہ "معلم ثانی" کے لقب سے ملقب ہے۔ حکمار اسلام میں اس سے قبل اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہوا"[1]

ساتویں صدی میں ابن القفطی نے "اخبار العلمار باخبار الحکمار" کے اندر فارابی کا ان الفاظ سے تعارف کرایا:

"محمد بن محمد بن طرخان ابونصر الفارابی الفیلسوف ..... بلا کسی اختلاف کے "فیلسوف المسلمین" کہلانے کا مستحق ہے"[2]

اسی طرح ابن ابی اصیبعہ اس کے بارے میں لکھتا ہے:

"ابونصر فارابی .... وہ کامل فیلسوف اور اپنے فن کا فاضل امام تھا۔ اس نے علوم حکمیہ میں اتقان کامل اور علوم ریاضیہ میں دستگاہ عالی بہم پہنچائے تھے"[3]

ساتویں صدی ہی میں ابن خلکان نے وفیات الاعیان (تاریخ ابن خلکان) مرتب کی اس میں فارابی کے فضل وکمال کے بارے میں لکھا:

"ابونصر محمد بن طرخان بن اوزلغ الفارابی ..... منطق وموسیقی اور دیگر علوم کا کثیر التصانیف مصنف ہے۔ وہ مسلمانوں میں سب سے بڑا فلسفی ہے۔ ان میں (فلاسفۂ اسلام میں) کوئی ان فنون میں اس کے مرتبہ کو نہیں پہنچا۔ اور شیخ الرئیس ابوعلی ابن سینا نے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اسی کی کتابوں کو پڑھا اور اسی کے کلام سے اپنی تصانیف میں استفادہ کیا"[4]

ابن الاثیر نے تاریخ کامل کے اندر ۳۳۹ھ کے واقعات کے ضمن میں اس کا حال لکھا ہے:

"اس سن (۳۳۹ھ) میں ابونصر فارابی نے وفات پائی جو حکیم فلسفی اور ان فنون (علوم حکمیہ) میں صاحب تصانیف تھا"[5]

نویں صدی میں ابن خلدون نے اپنی تاریخ مرتب کی اس کے مقدمہ میں چھٹی فصل علوم کی تاریخ پر ہے۔ علوم عقلیہ کی تاریخ کے سلسلے میں لکھتا ہے کہ جب یونانی علوم عربی زبان میں منتقل ہو گئے تو مسلمان اہل نظر نے یونانی فلسفہ پر تنقیدی نظر ڈالی اور ان میں سب سے افضل فارابی ہے:

---

(۱) تتمہ صوان الحکمہ، ص ۱۷ (۲) اخبار العلمار باخبار الحکمار، ص ۱۸۲ (۳) طبقات الاطبار جلد ثانی، ص ۱۳۴

(۴) وفیات الاعیان جلد ثانی، ص ۷۶ (۵) کامل لابن الاثیر جلد ثامن، ص ۱۶۳

"یونانی علم و حکمت کے تراجم پر مسلمانوں میں سے صاحب نظر حضرات نے غور و فکر کیا اور ان فنون میں درجہ حذاقت حاصل کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انہوں نے بہت سے مسائل میں معلم اول (ارسطو) کی رایوں سے اختلاف کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ان علوم میں کتابیں مدون کیں اور ان علوم میں اپنے پیروؤں سے بڑھ گئے اور ملت اسلامیہ کے اندر اکابر فلاسفۂ اسلام میں سے ابو نصر فارابی ہے"[1]۔

متاخرین میں وہ "المعلم الثانی" کے نام سے مشہور ہے (معلم ثالث شیخ بو علی سینا کہلاتا ہے) اور اس کے لیے بڑے دل خوش کن افسانے تراش لیے گئے ہیں مثلاً ارسطو کی مصنفات کے تراجم مسخ شدہ صورت میں تھے لہذا سامانی امیر منصور بن نوح کے ایماء سے فارابی نے ان تراجم کی مدد سے فلسفہ و حکمت کا ایک مجموعہ "التعلیم الثانی" کے نام سے مرتب کیا ۔ اس لیے فارابی "المعلم الاول" کہلاتا ہے۔ یہ بھی افسانہ تراشا گیا کہ شیخ بو علی کی شفا اسی "التعلیم الثانی" سے ماخوذ ہے اور یہ کہ شیخ نے اس سے استفادہ کرنے کے بعد اس کتب خانہ میں آگ لگا دی جس میں یہ کتاب موجود تھی ۔ اگرچہ طاش کبری زادہ (مفتاح السعادہ) میں اور حاجی خلیفہ (کشف الظنون میں) نے اس افسانہ پر سخت تنقید کی ہے مگر اس سے فارابی کی عظمت و جلالت ، و عوام میں مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

پھر جس طرح حدیث میں امام بخاری اور امام مسلم اور فقہ میں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف "شیخین" کہلاتے ہیں اسی طرح فلسفہ و حکمت میں "شیخین" کا مصداق فارابی اور بو علی سینا ہیں[2] ۔ مثلاً ملا حسن "شرح سلم العلوم" کے اندر "علم باری" کے باب میں مختلف مذاہب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و فی الاحتمال الثالث اعنی شق الانضمام یتحقق مذهب ارسطو و الشیخین ابی علی و ابی نصر"[3]۔ دوسری جگہ اس "شیخین" کی وضاحت کرتے ہیں: "اقتصر الشارح علی ذکر مذهبین وهما مذهب الشیخین والثانی مذهب افلاطون الالهی"[4]۔

اسی طرح مولانا فضل حق خیر آبادی قاضی مبارک کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: "اقتصر الشارح علی ذکر مذهبین احدهما مذهب الشیخین و الثانی مذهب افلاطون الالهی"[5]۔

---

(۱) مقدمہ ابن خلدون، ص ۴۰۱ (۲) مثلاً صدرا ئے شیرازی المتوفی ۱۰۵۰ھ شرح ہدایۃ الحکمۃ (الموسوم بہ صدرا) میں لکھتا ہے "والثالث مذهب ارسطو و من تابعه کالشیخین ابی نصر و ابی علی" (ص ۵۸)۔ (۳) شرح سلم از ملا حسن، ص ۱۱ (۴) ایضاً، ص ۱۵ (۵) حاشیہ قاضی مبارک از مولانا فضل حق خیر آبادی ص ۲۰

فارابی کی مقبولیت مشرق ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ مغرب بھی اس سے متاثر ہوا اور عرصہ دراز تک وہ یورپ میں انسانی فکر کے مشاہیر عباقرہ میں محسوب ہوتا رہا۔ بارھویں صدی میں یوحنا اشبیلی نے اس کی "احصار العلوم" قسطالی زبان میں ترجمہ کی اور اسی ترجمہ سے ڈومنیکوس گنڈی سالینوس (DOMINICUS GUNDISSALINUS) نے اپنی (DIVISIONE PHILOSOPHIAE) مرتب کی۔ اسی طرح ونسے ڈی بووے (VINCET DE BEAUVAIS) نے یوحنا اشبیلی کے قسطالی ترجمہ احصار العلوم (SPECULUM DOCTRINALE) میں استفادہ کیا۔

بارھویں صدی کے نصف آخر میں جیرارڈ آف کرمیونا (۱۱۱۴ - ۱۱۸۷م) نے جو قرون وسطی کا سب سے بڑا مترجم ہے۔ دیگر فضلائے اسلام کی مصنفات کے ساتھ فارابی کی احصار العلوم کا لاطینی میں ترجمہ کیا۔ جیرارڈ کا شاگرد ڈینیل آف مورلے (DANIEL OF MORLAY) عربی فلسفہ و حکمت کے دوسرے لاطینی تراجم کے ساتھ احصار العلوم کا ترجمہ بھی انگلینڈ لے گیا اور اس طرح انگلستان اس کتاب سے واقف ہوا۔

چودھویں صدی میں کالنیموس بن کالنیموس یہودی (المتوفی ۱۳۲۸ء) نے فارابی کی کتاب العقل والمعقول، کتاب ماینبغی ان یقدم قبل تعلم الفلسفۃ اور احصار العلوم کا عبرانی زبان میں ترجمہ کیا۔

۱۶۳۸ء میں فارابی کی مصنفات کے لاطینی تراجم کا ایک مجموعہ پیرس سے شائع ہوا۔

قرون وسطی کا مشہور انگریز مفکر و فلسفی راجر بیکن (۱۲۱۴ - ۱۲۸۰م) فارابی کی مصنفات سے خاص طور سے متاثر ہوا وہ اپنی کتاب میں دیگر مشاہیر فلاسفہ و مفکرین کے ساتھ فارابی کا بھی ذکر کرتا ہے۔ مثلاً اس کا یہ خیال کہ "عقل فعال بنیادی طور پر نفس انسانی سے مختلف ہے" یقیناً فارابی سے ماخوذ ہے۔

البرٹ دی گریٹ (۱۲۰۶ - ۱۲۸۰) مصنفات ارسطو کو دیگر مسلمان فلاسفہ کے ساتھ فارابی کی کتابوں کی مدد سے سمجھا کرتا تھا۔

یہودی فلسفی موسی بن میمون (۱۱۳۵ - ۱۲۰۴) کا یہ کہنا کہ "نبوۃ ایک فیض ہے جس کا باری تعالی کی جانب سے عقل فعال کے ذریعہ قوت ناطقہ پر اور اس کے ذریعے قوت متخیلہ پر فیضان ہوتا ہے" فارابی کے اس قول سے ماخوذ ہے جو اس نے وحی نبوت کے باب میں آراء اہل المدینۃ الفاضلہ (۱) میں لکھا ہے۔

اسی طرح ٹامس اکوئناس (۱۲۲۵ - ۱۲۷۴) کا فلسفہ دوسرے حکمائے اسلام کے فکری نظاموں کے

---

(۱) آراء اہل المدینۃ الفاضلہ، ص ۷۴ - ۷۶

ساتھ فارابی کے افکار پر مبنی ہے۔ بالخصوص نظریۂ معرفت میں اس کا اعتماد ارسطو سے زیادہ فارابی پر ہے۔ رابرٹ ہامنڈ کہتا ہے کہ سینٹ ٹامس نے وجود باری تعالیٰ پر سببیت اور حدوث کے ذریعہ جو دلائل قائم کیے ہیں وہ فارابی کے قائم کردہ دلائل کا بازاعادہ ہیں۔ اس کی تصدیق سینٹ ٹامس کی (SUMMA THEOLOGIAE) اور فارابی کے "عیون المسائل" کے تقابلی مطالعہ سے ہوسکتی ہے۔

اس طرح نہ صرف یہ کہ فارابی قرون وسطیٰ کے مسیحی فلاسفہ اور علمائے دینیات ہی میں مقبول تھا بلکہ اس نے ان کے افکار کی تشکیل میں بھی بڑا حصہ لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد حاضر کے مستشرقین باوجود اسلامی ثقافت کے ازدراء کے فارابی کی عظمت سے منکر نہیں ہوسکے۔ چنانچہ اگناتس گولڈزیہر کہتا ہے:

" فارابی (سنہ وفات ۹۵۰ء) بحیثیت حقیقی ارسطاطالیسی کے معلم ثانی کہا گیا ہے اور منطقی تصانیف کی تحقیقات کی وجہ سے خاص طور پر نمایاں ہے اور جس نے منطق کے مواد کو خصوصاً اس کے قیاسی حصے کو اور زیادہ نشو و نما دی ہے ...... یہ ابن سینا نہیں تھا جیسا کہ بہت سے لوگ مانتے ہیں بلکہ الفارابی تھا جس نے پہلے پہل اس پریشانی (ارسطو کی قدامت عالم کی تعلیم، اور دینیات کے تخلیق فی الزمان کے عقیدہ میں تصادم) کے مقابلے سے رہائی کی صورت ...... تلاش کی ...... اس نے اصطلاح عقل فعال کو ارسطو کے اپنے اس قول میں اختیار کردہ معنوں سے بالکل مختلف معنوں میں استعمال کیا ہے"[1]۔

ڈاکٹر کارادی فو اپنی کتاب "ابن سینا" میں فارابی کی عظمتِ فکر کے بارے میں لکھتا ہے:

"A REALLY POWERFUL AND SINGULAR PERSONAGE..... MORE FACINATING THAN AVECINNA, MORE IMPETUOUS AND DARING IN HIS INTELLECTUAL FLIGHT, MORE AGILE IN HIS RETORTS. HIS THOUGHTS USUALLY ATTAIN THE ELEVATION OF LYRIC. (M. WULFE: HISTORY OF MEDIEVAL PHILOSOPHY, P 230)

---

(۱) قرون وسطیٰ کا اسلامی فلسفہ، ص ۲۲-۲۴

(فارابی کی واقعی ایک قوی اور منفرد شخصیت تھی ...... جو ابن سینا سے زیادہ دل کش وجاذب توجہ ہے، جو اپنی سرعت فہم وذکاء اور پرداز تخیل میں اس سے کہیں زیادہ ناصبور اور جری الاقدام ہے اور جو اپنے اندر صفات میں اس سے زیادہ مسکت وتیز ہے۔ اس کے افکار عموماً عظمت شعر کی بلندی تک پہنچ جاتے ہیں)

دی بوائر اپنی کتاب "تاریخ فلسفہ اسلام" میں لکھتا ہے

"وہ منطقی مابعد الطبیعی مسائل جن کی تمہید کندی وغیرہ نے اٹھائی تھی اپنے نقطۂ کمال پر رازی کے ہم عصر ابونصر محمد ابن محمد ابن طرخان ابن ازلغ الفارابی کے یہاں پہنچے (۱)۔"

دوسری جگہ اس کے علمی کمال کے ضمن میں لکھتا ہے:

"اب اگر ہم فارابی کے نظام پر مجموعی نظر ڈالیں تو وہ مدلل روحانیت یا زیادہ صحیح لفظ میں عقلیت ہے (۲)۔"

اسی طرح ڈی ولف اس کے بارے میں لکھتا ہے:

"ALFARABI (+950) THE GREATEST ARABIAN PHILOSOPHER PRIOR TO AVECINNA. HE NOT ONLY TRANSLATED BUT INTERPRETED AND EXTENSIVELY ANNOTATED GRECIAN PHILOSOPHERS .... AMONG THOSE (BOOKS) ON LOGIC, WHICH TESTIFY TO HIS PROFOUND KOWLEDGE OF ARISTOTLE, ARE HIS COMMENTARY ON THE POSTERIOR ANALYTICA, A TREATISE DE ORTU SCIENTIARIEM AND ANOTHER DE INTELLECTU ET INTELLIGIBILI, OFTEN QUOTED IN THE MIDDLE AGES. (DE WUFFE: HISTORY OF MEDIEVAL PHILOSOPHY, P 229-230).

(الفارابی (المتوفی سنہ ۹۵۰ء) ابن سینا سے پیشتر سب سے بڑا عربی فلسفی تھا۔ اس نے یونانی فلسفہ

---

(۱) تاریخ فلسفہ اسلام دی بوائر مترجمہ سید عابد حسین، ص ۷۷
(۲) ایضاً، ص ۸۹

کی کتابوں کا صرف ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ بڑی شرح وبسط سے ان کی وضاحت بھی کی۔ منطق پر اس کی تصانیف میں جو کتابیں، اس کی ارسطو سے واقفیت تامہ پر دلالت کرتی ہیں" انالوطیقائے ثانی" (کتاب البرہان یا ابودیقطیقا)، پر اس کی شرح نیز اس کی DE ORTU SCIENTRARIEM اور کتاب العقل والمعقول ہیں جن کے قرون وسطیٰ میں بکثرت اقتباسات نقل کیے جاتے تھے، مشرق ومغرب میں اس غیر معمولی مقبولیت وقدر شناسی کی بنا پر فارابی "معلم ثانی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور غالباً وہ بجا طور پر اس لقب کا مستحق ہے۔ معلم اول کا لقب ارسطو کو اور معلم ثالث کا لقب شیخ بوعلی سینا کو دیا گیا ہے۔

(باقی آئندہ)

حکمائے قدیم کا فلسفۂ اخلاق

مصنفہ بشیر احمد ڈار

عہد قدیم میں چین، ایران، مصر اور یونان کی تہذیبوں نے حیرت انگیز ترقی کر لی تھی اور یہاں کے مفکروں نے جو افکار ونظریات پیش کیے انہی کی بنیاد پر جدید افکار کی عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی ہے اور اس کتاب میں کون فیوشس، گوتم بدھ، زرتشت مانی، سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے عظیم مفکروں کے اخلاقی نظریات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے

قیمت چھ روپے

تاریخ جمہوریت

مصنفہ شاہد حسین رزاقی

قبائلی معاشروں اور یونان قدیم سے لے کر عہد انقلاب اور دور حاضرہ تک جمہوریت کی مکمل تاریخ جس میں جمہوریت کی نوعیت وارتقاء، مطلق العنانی اور جمہوریت کی طویل کشمکش، مختلف زمانوں کے جمہوری نظامات اور اسلامی ومغربی جمہوری افکار کو بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔

صفحات ۵۰۶ - قیمت -/۸ روپے

ملنے کا پتہ:

سیکرٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ - کلب روڈ - لاہور